اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَ جَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ (الانعام:122)

وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

اَلنُّوْرُ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ اِنْفَتَحَ ○

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اعمال کی دو قسمیں:

اعمال کی دو قسمیں ہیں، اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ۔ اعمال صالحہ نیک کاموں کو کہتے ہیں اور اعمال سیئہ گناہوں کو کہتے ہیں۔ جو کام اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق ہو اور نبی اکرم ﷺ کی سنت کی مطابق ہو وہ اعمال صالحہ میں شامل ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہو وہ اعمال سیئہ میں شامل ہے۔

باطن پر اعمال کے اثرات:

انسان کے باطن پر اعمال کے اثرات پڑتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نماز میں آ کر شریک ہوئے مگر وضو کرنے میں کوئی کمی رہ گئی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے سلام پھیر کر ارشاد فرمایا، کون ہے جس کی وجہ سے ہماری نماز کے اندر اثر ہوا؟ محدثین نے یہاں سے نتیجہ نکالا کہ وضو میں کمی رہ جانا ایک ظاہری عمل تھا مگر اس کا بھی باطن پر اثر ہو گیا۔ اگر ساتھ والے کے عمل کا انسان کے باطن پر اتنا اثر ہوتا ہے۔ تو اگر انسان کا اپنا عمل خراب ہو گا تو پھر اس کے باطن پر کتنا بڑا اثر ہو گا......!!!

گناہوں کی وجہ سے دل کا سیاہ ہو جانا:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب بھی انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ داغ لگ جاتا ہے۔

اگر سچی توبہ کر لے تو مٹ جاتا ہے۔ اگر توبہ نہ کرے اور دوسرا گناہ کر لے تو دوسرا داغ لگ جاتا ہے۔ اگر بالکل توبہ نہ کرے تو یہ سیاہی گناہوں کے ساتھ ساتھ اتنی بڑھتی چلی جاتی ہے کہ اس انسان کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس کو ''رین قلب'' کہتے ہیں۔ یعنی دل کا زنگ، دل کی سیاہی۔ قرآن پاک سے اس کی دلیل ملتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے، كَلَّا بَلْ سكتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (المطففین: 14) کیوں نہیں، انکی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے دل پر زنگ لگا دیا گیا ہے۔ استغفار کی کثرت سے یہ سیاہی دھل جاتی ہے جبکہ غفلت اور گناہوں سے یہ سیاہی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ جس انسان نے کلمہ نہیں پڑھا اس کا دل بالکل سیاہ ہوتا ہے۔ اور جس نے کلمہ پڑھ لیا اس کا دل نور ایمان سے لبریز ہو جاتا ہے۔

کفر اور ایمان اللہ تعالیٰ کی نظر میں:

اللہ رب العزت کو کفر اور کافر سے ذاتی عداوت ہے جبکہ ایمان اور مومن بندوں سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا، اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البقرہ: 257) اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا۔ آداب شاہانہ تو یہی تھے کہ یوں فرمایا جاتا کہ ایمان والے ہمارے دوست ہیں۔ مگر اس نسبت کو اپنی طرف پسند فرمایا۔ سبحان اللہ، بندوں پر اتنے مہربان، اتنے کریم اور اتنے رحیم کہ نسبت اپنی طرف فرمائی۔ اس نسبت کی اللہ رب العزت کے ہاں بڑی قیمت ہے۔

دو طرح کی مخلوق:

اللہ تعالیٰ کے ہاں مخلوق دو طرح کی ہے۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ (التغابن: 2) وہ ذات جس نے تمہیں پیدا کیا، تم میں سے کافر بھی ہیں اور تم میں سے ایمان والے

بھی ہیں۔ گویا اس اعتبار سے بندوں کی تقسیم دو طرح سے ہے۔ کفار کے دلوں پر ظلمت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ان کے لئے ایک عجیب مثال بیان فرمائی گئی: فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ (النور:40) سمندر میں جب تلاطم آتا ہے تو لہروں پر لہریں پڑ رہی ہوتی ہیں۔ اگر اس وقت آسمان پر بادل بھی ہوں تو سمندر کی تہہ میں اتنا اندھیرا ہوتا ہے کہ آدمی کو اپنا ہاتھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ قرآن نے کفار کے دلوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے یہی کہا کہ ان کی مثال ایسے ہے جیسے سمندر میں لہروں کے اوپر لہریں آ رہی ہوں، آسمان کے اوپر بادل ہوں پھر نیچے اگر کوئی اپنا ہاتھ نکالے لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا (النور:40) وہ کبھی اس کو دیکھ نہیں پاتا۔ کس لئے؟ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (النور:40) جس کے لئے اللہ تعالیٰ کوئی نور ہی نہ بنائے پھر اس کے لئے نور نہیں ہوتا۔

نسبت کی لاج:

محترم جماعت! اگر اللہ تعالیٰ اتنی بات ہی فرما دیتے کہ اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا، تو بات اپنے معانی کے اعتبار سے مکمل ہو جاتی۔ مگر ایک بات اور آگے فرما دی جس نے مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا۔ فرمایا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (البقرہ:257) اللہ تعالیٰ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال کر لے جاتا ہے۔ چونکہ اللہ رب العزت مومن کا اندھیرے میں رہنا پسند نہیں فرماتے۔ اس لئے قرآن مجید میں فرمایا الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ (ابرھیم:1) یہ کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی۔ لِتُخْرِجَ النَّاسَ (ابرھیم:1) تاکہ آپ نکالیں انسانوں کو مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (ابرھیم:1) اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ گویا قرآن مجید اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جانے والی

کتاب ہے۔اللہ رب العزت جن بندوں سے محبت فرماتے ہیں ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتے ہیں اور یہ روشنی ایمان والوں کو نصیب ہوتی ہے۔کلمہ پڑھنے سے بندے کو اللہ رب العزت کے ساتھ ایک نسبت ہو جاتی ہے۔

عبرتناک واقعہ:

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی میرے کسی تعلق والے کا قریبی عزیز تھا۔وہ بیمار ہو گیا۔قریب تھا کہ اسے موت آجائے۔وہ تعلق والا بندہ میرے پاس آیا اور اس نے بڑی منت سماجت کی کہ حضرت! آخری وقت ہے' تشریف لائیں اور کچھ توجہات فرمائیں۔اس کی آخرت اچھی بن جائے گی۔فرماتے ہیں کہ میں وہاں گیا۔میں نے بہت دیر تک توجہ دی مگر میں نے دیکھا کہ اس کے دل کی ظلمت پر کوئی فرق نہ پڑا۔میں بڑا حیران ہوا کہ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔پہلے تو جب بھی اللہ تعالیٰ کی مدد سے متوجہ ہوا، رب کی رحمت نے یاوری فرمائی اور سالکین کے دلوں کی ظلمتوں کو دور کر دیا۔یہ عجیب معاملہ تھا کہ اتنی توجہ بھی کی مگر اس کے دل پر ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا۔بے اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا تو دل میں القاء فرمایا گیا کہ آپ کی توجہ سے یہ ظلمت دور نہیں ہو گی، اس لئے کہ اس آدمی کے کفار کے ساتھ محبت کے تعلقات ہیں۔کافروں سے محبت رکھنے کی وجہ سے دل پر ایسی ظلمت آئی جو وقت کے مجدد کی توجہات سے بھی دور نہ ہو سکی۔

عقائد کا فساد:

حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ کے خلفاء میں سے حضرت خواجہ احمد سعیدؒ احمد پور شرقیہ میں رہتے تھے۔وہ اپنے حالات زندگی میں خود فرماتے ہیں کہ میں بسا اوقات سالکین کے دل پر توجہ کرتا ہوں تو اس کے اثرات محسوس ہوتے ہیں مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے دلوں سے وہ فیض ٹکرا کر واپس آجاتا

اور مجھے اس میں سے آواز آتی ہے کہ ہمارے لئے اس دل میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ فرمایا جب میں نے تحقیق کی تو مجھے پتہ چلا کہ وہ آدمی عقائد کے فساد میں مبتلا ہیں۔

حضرت یوسفؑ کے نزدیک نسبت کا مقام:

جس کو کسی سے نسبت ہو جاتی ہے وہ اس نسبت کی لاج رکھا کرتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت یوسفؑ کے پاس قحط کے زمانے میں ایک لڑکا غلہ لینے کے لئے آیا۔ آپ نے اسے کچھ غلہ دے دیا۔ اس کے بعد اس نے آپ کو کوئی بات بتائی تو آپ اتنے خوش ہوئے کہ اس کو اور زیادہ غلہ دیا، اور انعامات و اعزازات کے ساتھ رخصت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ اے میرے پیارے پیغمبرؑ! آپ نے اس لڑکے کا اتنا زیادہ اکرام کیوں کیا؟ عرض کیا، رب کریم! میں نے تو ابتداء میں اس کو وہ حصہ دیا جو بنتا تھا لیکن اس نے مجھے بتایا کہ میں وہ لڑکا ہوں جس نے بچپن میں آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی۔ اس بات کو سن کر میرے دل میں محبت تڑپ اٹھی کہ یہ وہ لڑکا ہے جس نے بچپن میں میری پاکدامنی کی گواہی دی تھی۔ آج یہ بے حال ہو کر میرے پاس کچھ لینے کیلئے آیا ہے، میں کیوں نہ اس گواہی کی وجہ سے اس کا اکرام کروں۔ اس لئے اے اللہ! میں نے اس کا اکرام کیا، میں نے اسے وہ کچھ دیا جو میرے اختیار میں تھا۔ رب کریم نے وحی نازل فرمائی، اے میرے پیغمبرؑ! جس نے آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی آپ نے اس کو اتنا کچھ دیا جو آپ دے سکتے تھے، آپ نے وہ کچھ کیا جو آپ کی شان کے مطابق تھا۔ یاد رکھئے! جو بندہ دنیا میں میری الوہیت کی گواہی دے گا، میری ربوبیت کی گواہی دے گا، جب وہ میرا بندہ قیامت کے دن میرے سامنے آئے گا تو میں پروردگار بھی وہ کچھ دوں گا جو میری شان کے مطابق ہوگا۔ سبحان اللہ

بندی اور بندے کی معافی:

ایک آدمی کی بیوی سے کوئی غلطی ہوگئی۔نقصان کر بیٹھی۔اگر وہ چاہتا تو اسے سزا دے سکتا تھا، اگر وہ چاہتا تو اسے طلاق دے کر گھر بھیج سکتا تھا کیونکہ وہ حق بجانب تھا۔تاہم اس آدمی نے یہ سوچا کہ میری بیوی نقصان تو کر بیٹھی ہے، چلو میں اس اللہ کی بندی کو معاف کر دیتا ہوں۔کچھ عرصہ کے بعد اس شخص کی وفات ہوگئی۔کسی کو خواب میں نظر آیا۔خواب دیکھنے والے نے پوچھا کہ سناؤ آگے کیا معاملہ بنا؟ کہنے لگا کہ اللہ رب العزت نے میرے اوپر مہربانی فرمادی۔اس نے پوچھا، وہ کیسے؟ کہنے لگا کہ ایک مرتبہ میری بیوی غلطی کر بیٹھی تھی۔میں چاہتا تو سزا دے سکتا تھا مگر میں نے اس کو اللہ کی بندی سمجھ کر معاف کر دیا۔پروردگار عالم نے فرمایا کہ تو نے اسے میری بندی سمجھ کر معاف کر دیا، جا میں تجھے اپنا بندہ سمجھ کر معاف کر دیتا ہوں۔

ایمان والوں کو اللہ رب العزت سے ایک نسبت ہے۔اور اس نسبت کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ ہے۔بندے تو سب ہی اللہ کے ہیں لیکن جس نے کلمہ پڑھ لیا وہ بندہ اللہ رب العزت کے ساتھ ایمان کی نسبت سے جڑ گیا۔

نسبت کی وجہ سے رتبے میں فرق:

ایک بھٹے میں دو اینٹیں پکیں جو کسی آدمی نے خریدیں۔ایک کو مسجد کے صحن میں اس نے لگا دیا اور دوسری کو اس نے بیت الخلاء میں لگا دیا۔اینٹیں ایک جیسی، بنانے والا ایک آدمی، قیمت بھی ایک جیسی، لگانے والا بھی ایک آدمی۔لیکن ایک کو نسبت مسجد سے ہوگئی اور ایک کو نسبت بیت الخلاء سے ہوگئی۔جس کی نسبت بیت الخلاء سے ہوئی، وہاں ہم ننگا پاؤں بھی رکھنا پسند نہیں کرتے اور جس کی نسبت بیت اللہ (مسجد) سے ہوئی وہاں ہم اپنی پیشانیاں ٹیکتے پھرتے ہیں۔دونوں کے رتبے میں فرق کیوں ہوا؟ چیز ایک تھی، قیمت ایک جیسی تھی اور ایک ہی طریقے سے لگی تھیں مگر نسبت نے دونوں میں فرق پیدا کر دیا۔

قرآن مجید کے گتے کا رتبہ:

فقہاء نے مسئلہ لکھا ہے کہ اگر آپ قرآن مجید پر ایک گتہ جوڑ دیں حتیٰ کہ وہ اس کا جزو بن جائے تو اب جس طرح لکھے ہوئے کاغذ کو آپ بے وضو نہیں چھو سکتے اسی طرح اس گتے کو بھی بے وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ کوئی آدمی اگر یہ کہے کہ گتے پر قرآن مجید نہیں لکھا ہوا، گتہ اور چیز ہے اور جن کاغذوں پر قرآن لکھا ہوا وہ اور چیز ہے تو فقہاء اس کا جواب دیں گے کہ گتہ تو واقعی غیر چیز تھی، جنس غیر تھی مگر سلائی کے ذریعے سے قرآن کے ساتھ یہ جڑ گیا، لہٰذا اس یک جان ہونے کی نسبت کے صدقے اللہ تعالیٰ نے گتے کو بھی وہ مقام دے دیا کہ اب ہم اس گتے کو بھی بے وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔

سیدنا عیسیٰؑ کی اپنی قوم سے محبت:

سیدنا عیسیٰؑ اللہ رب العزت کے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ روز محشر جب آپ کی قوم کی باری آئے گی تو اللہ رب العزت فرمائیں گے کہ یہ نصرانی تو کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے پیغمبر نے کہا اِتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (المآئدہ:116) کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے ساتھ شریک بنالو، معبود بنالو۔ تو حضرت عیسیٰؑ سچ بیان فرمائیں گے کہ اے اللہ! میں نے تو ان کو یہ نہیں کہا تھا۔ اور پھر عجیب بات کہیں گے کہ اے اللہ! اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ (المآئدہ:118) اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں۔ سبحان اللہ! یہاں یہ نہیں کہا کہ اے اللہ! اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ جھوٹے ہیں۔ اس لئے کہ امت تو اپنی تھی۔ اگرچہ گنہگار نکلی، خطا کار نکلی مگر پھر بھی اپنے ہونے کی وجہ سے اتنا خیال رکھیں گے اور آگے کہیں گے وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ (المآئدہ:118) اور اے اللہ اگر تو ان کی مغفرت کر دے، تو یہ نہ کہیں گے کہ بندے تیرے ہی ہیں بلکہ فرمائیں گے کہ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (المآئدہ:118)

اے اللہ! تو مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

حضرت علیؓ کا گرانقدر ملفوظ:

اللہ رب العزت کو ایمان والی نسبت بہت محبوب ہے۔ اسی لئے سیدنا علی کرم اللہ وجھہ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! میرے لئے یہی عزت کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے اور میرے لئے یہی فخر کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں۔ سبحان اللہ! کتنی سادہ سی بات ہے لیکن کتنی محبت بھری بات ہے۔

ایمان والوں سے اللہ تعالیٰ کا سودا:

ایمان والوں کو کلمے کی بدولت ایسا مقام ملا کہ پروردگار عالم فرماتے ہیں، اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (التوبہ:111) اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا۔ سبحان اللہ‘ خود ہی اس کی خریداری کا اعلان فرما دیا۔ بندہ تو کلمہ پڑھ کر ایمان والوں کی فہرست میں شامل ہوا اور اگلا معاملہ اللہ نے خود طے فرما دیا۔ اس پر کسی نے کیا خوب کہا:

جب تک بکے نہ تھے کوئی پوچھتا نہ تھا تم نے خرید کر ہمیں انمول کر دیا

پنجابی میں کسی بزرگ نے کیا ہی اچھی بات کہی، فرمایا:

وکانی ہاں تیڈے نام پچھوں نئیں تے کون کمینی نوں جاندا ہائی
میڈے گل پٹہ تیڈے نام والا تیڈے نام کوں جگ سنجاندا ہائی

اس لئے اللہ والے اپنے گلے میں اللہ تعالیٰ کے نام کا پٹہ ڈال لیتے ہیں اور اللہ رب العزت ان کو پوری دنیا میں عزتیں دے دیتے ہیں۔

سب سے بہترین زمانہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر کون لوگ؟ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں۔ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ان کے بعد پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں۔ تو نبی علیہ السلام کے زمانے کو اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک نسبت ہے۔ وہ ایسا زمانہ ہے کہ بعض مفسرین کے نزدیک وَ الْعَصْرِ (العصر:1) کہہ کر اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دور کی قسم کھائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی قسم کھائی لَعَمْرُكَ (الحجر:72) اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے قسم ہے آپ کی عمر کی۔ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (البلد:1) مجھے قسم ہے اس شہر کی وَ اَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ (البلد:2) اور میرے محبوب! آپ اس شہر میں اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ یہ قسمیں کھانے کی وجہ یہ تھی کہ ان چیزوں کو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نسبت ہوگئی تھی۔ سبحان اللہ

حکیم ترمذیؒ کا سبق آموز واقعہ:

حکیم ترمذیؒ کو اللہ تعالیٰ نے دین کا بھی حکیم بنایا تھا اور دنیا کی بھی حکمت دی تھی۔ ترمذ کے رہنے والے تھے۔ اس وقت دریا آمو کے بالکل کنارے پر ان کا مزار ہے۔ اس عاجز کو ان کے مزار پر حاضری کا شرف نصیب ہو چکا ہے۔ آپ وقت کے ایک بہت بڑے محدث بھی تھے اور طبیب بھی۔ اللہ رب العزت نے آپ کو حسن و جمال اتنا دیا تھا کہ دیکھ کر دل فریفتہ ہو جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو باطنی حسن و جمال بھی عطا کیا ہوا تھا۔ اللہ رب العزت نے ان کو اپنے علاقے میں قبولیت عامہ تامہ عطا کر رکھی تھی۔

آپ عین جوانی کے وقت ایک دن اپنے مطب میں بیٹھے تھے کہ ایک عورت آئی اور اس نے اپنا چہرہ

کھول دیا۔ وہ بڑی حسینہ جمیلہ تھی۔ کہنے لگی کہ میں آپ پر فریفتہ ہوں، بڑی مدت سے موقعہ کی تلاش میں تھی، آج تنہائی ملی ہے آپ میری خواہش پوری کریں۔ آپ کے دل پر خوف خدا غالب ہوا تو رو پڑے۔ آپ اس انداز سے روئے کہ وہ عورت نادم ہوکر واپس چلی گئی۔ وقت گزر گیا اور آپ اس بات کو بھول ہی گئے۔

جب آپ کے بال سفید ہوگئے اور کام بھی چھوڑ دیا تو ایک مرتبہ آپ مصلے پر بیٹھے تھے۔ ایسے ہی آپ کے دل میں خیال آیا کہ فلاں وقت جوانی میں ایک عورت نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس وقت اگر میں گناہ کر بھی لیتا تو آج میں توبہ کر لیتا۔ لیکن جیسے ہی دل میں یہ خیال گزرا تو رونے بیٹھ گئے۔ کہنے لگے، اے رب کریم! جوانی میں تو یہ حالت تھی کہ میں گناہ کا نام سن کر اتنا رویا کہ میرے رونے سے وہ عورت نادم ہوکر چلی گئی تھی، اب میرے بال سفید ہوگئے تو کیا میرا دل سیاہ ہوگیا۔ اے اللہ! میں تیرے سامنے کیسے پیش ہوں گا۔ اس بڑھاپے کے اندر جب میرے جسم میں قوت ہی نہیں رہی تو آج میرے دل میں گناہوں کا خیال کیوں پیدا ہوا۔

روتے ہوئے اسی حال میں سو گئے۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ پوچھا، حکیم ترمذی! تو کیوں روتا ہے؟ عرض کیا، میرے محبوب ﷺ! جب جوانی کا وقت تھا، جب شہوات کا دور تھا، جو قوت کا زمانہ تھا، جب اندھے پن کا وقت تھا، اس وقت تو خشیت کا یہ عالم تھا کہ گناہ کی بات سن کر میں اتنا رویا کہ وہ عورت نادم ہوکر چلی گئی۔ لیکن اب جب بڑھاپا آیا ہے تو اے اللہ کے محبوب ﷺ! میرے بال سفید ہوگئے لگتا ہے کہ میرا دل اس قدر سیاہ ہوگیا ہے کہ میں سوچ رہا تھا کہ میں اس عورت کی خواہش پوری کر دیتا اور بعد میں توبہ کر لیتا۔ میں اس لئے آج بہت پریشان ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا ''یہ تیری کمی اور قصور کی بات نہیں، جب تو جوان تھا تو اس زمانے کو میرے زمانے سے قرب

کی نسبت تھی۔ان برکتوں کی وجہ سے تیری کیفیت اتنی اچھی تھی کہ گناہ کی طرف خیال ہی نہ گیا۔اب تیرا بڑھاپا آ گیا ہے تو میرے زمانے سے دوری ہوگئی ہے اس لئے اب دل میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہو گیا''۔

سلف صالحین نسبتوں کا بڑا اکرام فرماتے تھے۔اس کی بھی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

باسی روٹی کی نسبت:

ایک بزرگ کے سامنے جب بھی دسترخواں پر روٹیاں رکھی جاتیں تو وہ ٹھنڈی روٹی پہلے کھاتے اور گرم روٹی بعد میں۔کسی نے کہا، حضرت! جب ٹھنڈی اور گرم دونوں قسم کی روٹیاں موجود ہوں تو جی تو چاہتا ہے کہ گرم روٹی پہلے کھائیں کیونکہ ٹھنڈی روٹی تو ٹھنڈی ہو چکی ہوتی ہے اس لئے وہ بعد میں کھانی چاہئے۔مگر اللہ والوں کی نگاہ کہیں اور ہوتی ہے۔انہوں نے فرمایا، نہیں یہ ٹھنڈی اور گرم دونوں میرے سامنے ہوتی ہیں، میں ان پر نظر دوڑاتا ہوں اور اپنے دل سے پوچھتا ہوں کہ اے دل! تیرا جی چاہتا ہے کہ گرم روٹی کھا کر لطف اٹھائے مگر سوچ تو سہی کہ ٹھنڈی روٹی پہلے پکی اس لئے اس کو قرب کی نسبت زیادہ حاصل ہے اور گرم روٹی بعد میں پکی اس لئے اس کو دور کی نسبت ہے۔لہذا میں قرب کی نسبت والی روٹی پہلے کھاتا ہوں اور بعد والی روٹی کو بعد میں کھاتا ہوں۔اندازہ لگایئے کہ دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ سے جو نسبت ہوتی تھی اللہ والے اس نسبت کا بھی خیال فرماتے تھے۔سبحان اللہ

حضرت عمرؓ کے نزدیک نسبت کا مقام:

سیدنا عمرؓ ابن الخطاب نے اپنے دور خلافت میں اپنے بیٹے عبداللہ ابن عمرؓ کا مشاہرہ (تنخواہ) کم متعین کیا اور حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کا مشاہرہ زیادہ متعین فرمادیا۔حضرت زیدؓ نبی اکرم ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے۔جب مشاہرہ متعین ہوگیا تو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے پوچھا، ابا جان! علم و فضل میں اللہ تعالیٰ نے

مجھے بڑھا دیا مگر آپ نے اسامہؓ کا مشاہرہ مجھ سے زیادہ متعین فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا، بیٹے! اسامہؓ تیری نسبت اللہ کے محبوب ﷺ کو زیادہ پیارا تھا اور اسامہؓ کا باپ تیرے باپ سے زیادہ حضور اکرم ﷺ کو پیارا تھا اس لئے میں نے اسامہؓ کا مشاہرہ زیادہ مقرر کیا ہے۔ اللہ اکبر

نسبت کے احترام سے ولایت ملنے کا واقعہ:

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے وقت کے شاہی پہلوان تھے۔ بادشاہ وقت نے اعلان کروا رکھا تھا کہ جو شخص ہمارے پہلوان کو گرائے گا اس کو بہت زیادہ انعام دیا جائیگا۔ سادات کے گھرانے کا ایک آدمی بہت کمزور اور غریب تھا۔ نان شبینہ کو ترستا تھا۔ اس نے سنا کہ وقت کے بادشاہ کی طرف سے اعلان ہو رہا ہے کہ جو ہمارے پہلوان کو گرائے گا ہم اسے اتنا زیادہ انعام دیں گے۔ اس نے سوچا کہ جنید کو رستم زماں کہا جاتا ہے۔ میں اسے گرا تو نہیں سکتا مگر میرے گھر میں غربت بہت زیادہ ہے۔ مجھے پریشانی بھی بہت ہے اور سادات میں سے ہوں اس لئے کسی کے آگے جا کر اپنا حال بھی نہیں کھول سکتا، چلو میں مقابلہ کی کوشش تو کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے جنید سے کشتی لڑنے کا اعلان کر دیا۔ وقت کا بادشاہ بہت حیران ہوا کہ اتنے بڑے پہلوان کے مقابلے میں ایک کمزور سا آدمی۔ بادشاہ نے اس شخص سے کہا کہ تو شکست کھا جائے گا۔ اس نے کہا کہ نہیں میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ چنانچہ مقابلے کیلئے دن متعین کر دیا گیا۔ بادشاہ وقت بھی کشتی دیکھنے کے لئے آیا۔ جب دونوں پہلوانوں نے پنجہ آزمائی شروع کی تو وہ سید صاحب کہتے ہیں، جنید! تو رستم زماں ہے، تیری بڑی عزت ہے، تجھے بادشاہ سے روزینہ ملتا ہے، لیکن دیکھ لے میں سادات میں سے ہوں، غریب ہوں، میرے گھر میں اس وقت پریشانی اور تنگی ہے، آج اگر تو گر جائے گا تو تیری عزت پر وقتی طور پر حرف آئے گا لیکن میری پریشانی دور ہو جائے گی۔ اس کے بعد اس نے کشتی کرنا شروع کر دی۔ جنید حیران تھے کہ اگر چاہتے تو بائیں ہاتھ کے ساتھ اس کو نیچے پٹخ

سکتے تھے، مگر اس نے نبی اکرم ﷺ کی قرابت کا واسطہ دیا تھا۔ یہ محبوب ﷺ کی نسبت تھی جس سے جنید کا دل پسیج گیا تھا۔ دل نے فیصلہ کیا کہ جنید! اس وقت عزت کا خیال نہ کرنا، تجھے محبوب ﷺ کے ہاں عزت مل جائے تو تیرے لئے یہی کافی ہے۔ چنانچہ تھوڑی دیر پنجہ آزمائی کی اور اس کے بعد جنید خود ہی چت ہو گئے اور وہ کمزور آدمی ان کے سینے پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے ان کو گرا لیا۔ بادشاہ نے کہا کہ نہیں کوئی وجہ بن گئی ہو گی لہذا دوبارہ کشتی کروائی جائے۔ چنانچہ دوبارہ کشتی ہوئی، جنید خود ہی گر گئے اور اسے اپنے سینے پر بٹھا لیا۔ بادشاہ بہت ناراض ہوا، اس نے جنید کو بہت زیادہ لعن طعن کی۔ حتیٰ کہ اس نے کہا کہ جی چاہتا ہے کہ جوتوں کا ہار تیرے گلے میں ڈال کر پورے شہر میں پھرا دوں، تو اتنے کمزور آدمی سے ہار گیا۔ آپ نے وقتی ذلت کو برداشت کر لیا۔ گھر آ کر بتایا تو بیوی بھی پریشان ہوئی اور باقی اہل خانہ بھی پریشان ہوئے کہ تو نے اپنی عزت کو آج خاک میں ملا دیا۔ مگر جنید کا دل مطمئن تھا۔

رات کو سوئے تو خواب میں اللہ کے محبوب ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جنید! تو نے ہماری خاطر یہ ذلت برداشت کی ہے، یاد رکھنا کہ ہم تیری عزت کے ڈنکے دنیا میں بجا دیں گے۔ چنانچہ وہ جنید بغدادی جو ظاہری پہلوان تھا اللہ رب العزت نے اسے روحانی دنیا کا پہلوان بنا دیا۔ آج جہاں بھی تصوف کی بات کی جائے گی جنید بغدادی کا تذکرہ ضرور کیا جائے گا۔

بعض مشائخ کا معمول:

ہمارے بعض مشائخ کا معمول رہا ہے کہ اگر ان کے ہاں کوئی صاحب نسبت بزرگ مہمان آتے تو وہ ان کا کھانا اپنے سر پر اٹھا کر لے جاتے۔ حالانکہ ہاتھوں میں بھی اٹھا کر لے جا سکتے تھے مگر نسبت کے اکرام کی وجہ سے وہ صاحب نسبت بزرگ کا کھانا اپنے سر پر اٹھا کر لے جاتے تھے۔

صاحب نسبت بزرگ کے تحفے کا اکرام:

دو بزرگ صاحب نسبت تھے۔ ان کی آپس میں محبت بہت زیادہ تھی۔ ان میں سے ایک بزرگ دوسرے بزرگ سے ملنے کیلئے گئے۔ سوچا کہ میں ان کے پاس کوئی تحفہ لے جاؤں۔ کیونکہ حدیث پاک میں آیا ہے تھادوا تحابوا تم ایک دوسرے کو ہدیہ دو محبت بڑھے گی۔ چنانچہ سوچا کہ میں کیا لے کر جاؤں کیونکہ کچھ بھی اپنے پاس نہیں تھا۔ مگر دل میں اخلاص تھا۔ اس لئے دل میں خیال آیا کہ جنگل میں سے لکڑیاں کاٹ کر لے جاؤں۔ چنانچہ لکڑیاں کاٹیں، ان کا گٹھا بنایا اور سر پر اٹھا کر لے چلے کہ میں اپنے ایک بھائی کو تحفہ دینے کیلئے جا رہا ہوں۔ جب لکڑیاں وہاں جا کر رکھیں تو انہیں کہا کہ میں آپ کیلئے تحفہ لایا ہوں۔ انہوں نے یہ تحفہ گھر بھجوا دیا اور اپنے اہل خانہ کو وصیت کی یہ ایک صاحب نسبت بزرگ کا تحفہ ہے۔ جب میں مر جاؤں تو میری میت کے غسل کا پانی ان لکڑیوں سے گرم کیا جائے۔ سبحان اللہ

نسبت کے احترام پر گناہوں کی بخشش:

کعب احبارؓ وہ صحابی تھے جو علمائے بنی اسرائیل میں سے تھے۔ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ انہیں دو پیغمبروں پر ایمان لانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ دنیا میں بھی سعادت ملی اور قیامت کے دن بھی ان کو دوہرا اجر ملے گا۔ وہب بن منبہ ان کا عمل نقل کرتے ہیں کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو ان کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ آخری صف میں نماز پڑھیں۔ جبکہ دوسرے لوگ دوڑ دوڑ کر پہلی صف میں جاتے کیونکہ پہلی صف کے اجر اور اس کی فضیلت کے بارے میں احادیث میں بتایا گیا ہے۔ ان کے شاگردوں نے جب ان کا یہ عمل دیکھا تو پوچھا، حضرت! دوسرے لوگ تو پہلی صف کیلئے کوشش کرتے ہیں اور آپ پہلی صف کی کوشش نہیں کرتے، پچھلی صف میں ہی کھڑے ہو کر نماز پڑھ لیتے ہیں، اس کی

کیا وجہ ہے؟ حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ میں نے تورات اور اس کے علاوہ باقی آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ امت محمدیہ ﷺ میں سے بعض ایسے بندے ہوں گے جو اپنے پروردگار کو اتنے مقبول ہوں گے کہ جہاں کھڑے ہو کر وہ نماز پڑھیں گے ان کے پیچھے اقتداء کرنے والے جتنے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان سب کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میرے نیک بھائی سب آ گئے ہوں، ممکن ہے کہ کسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہم سب کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔

تصوف کا مقصد:

ایک نسبت تصوف کی بھی ہوتی ہے۔ یہ ایک نور ہے جو سینے میں داخل ہوتا ہے۔ انسان کو یہ نسبت شریعت پر استقامت سے نصیب ہوتی ہے۔ یاد رکھئے کہ تصوف کا مقصد کوئی رنگ دیکھنا نہیں، کوئی کشف حاصل کرنا نہیں، کوئی کرامات حاصل کرنا نہیں، کوئی مقدمے فتح ہونا نہیں، کوئی دعاؤں کا قبول ہونا نہیں، کوئی نمازوں کے اندر خاص کیفیت کا حاصل ہونا نہیں، بلکہ تصوف کا بنیادی مقصد شریعت کے اوپر استقامت کے ساتھ عمل کی توفیق نصیب ہو جانا ہے۔ اسی لئے فرمایا، اَلْاِ سْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ استقامت کرامت کے اوپر فائق ہے۔ استقامت کا درجہ کرامت سے بلند ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ فتح القدیر میں نسبت کی چار قسمیں بیان فرماتے ہیں۔

1- نسبت انعکاسی:

پہلی نسبت نسبت انعکاسی کہلاتی ہے۔ یہ سب سے کمزور نسبت ہوتی ہے۔ جب سالک اپنے شیخ کی صحبت میں ہوتا ہے تو شیخ کے قلب کی کیفیات اس کے دل میں منعکس ہو رہی ہوتی ہیں اور آدمی کو دنیا کی محبت کم معلوم ہوتی ہے، اللہ کی محبت غالب معلوم ہوتی ہے، گناہوں کے خیالات کم ہو جاتے ہیں اور نیکی

کا جذبہ بڑھ جاتا ہے۔مگر یہ سب کچھ انعکاسی چیز ہوتی ہے۔ جب شیخ سے ذرا دور ہو گئے تو رفتہ رفتہ یہ کیفیت ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔اسی لئے سالکین کہتے ہیں کہ جب ہم اجتماع میں آتے ہیں یا شیخ سے ملنے آتے ہیں تو بڑی عجیب کیفیات ہوتی ہیں لیکن واپس جا کر وہ کیفیت نہیں رہتی۔اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ شیخ کی موجودگی میں وہ نسبت منعکس ہو رہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان کے دل پر اس کے اثرات محسوس ہوتے ہیں۔

اس نسبت کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی آگ کے پاس بیٹھے تو اس کو گرمی محسوس ہوتی ہے لیکن جب آگ کے قریب سے اٹھ کر چلا جائے تو پھر اس کی وہ گرمی آہستہ آہستہ زائل ہو جاتی ہے۔اس لئے کہ وہ گرمی اپنی نہیں ہوتی بلکہ وہ وقتی ہوتی ہے جو دور ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے عطر لگایا ہوا ہو تو جو آدمی پاس بیٹھ جائے وہ جب تک بیٹھا رہے گا اس کو عطر کی خوشبو ملتی رہے گی اور جب دور چلا جائے گا تو وہ خوشبو بھی آنا بند ہو جائے گی۔ یہ نسبت انعکاسی کہلاتی ہے۔

2- نسبت القائی:

دوسری قسم کی نسبت کو نسبت القائی کہتے ہیں۔ یہ ایسی نسبت ہے کہ جس کے حصول کیلئے سالک شیخ کی صحبت میں اتنا وقت گزارتا ہے کہ اس نسبت کی کچھ برکات سالک کے دل کے اندر جم جاتی ہیں اور اس کے دل کا حصہ بن جاتی ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کہیں آگ جل رہی ہو اور ایک آدمی اس سے اپنا چراغ جلا لے تو اب چراغ جلانے والے کے اپنے پاس بھی آگ آ گئی۔اب یہ چاہے تو اس سے اندھیرے میں بھی روشنی کا کام لے سکتا ہے لیکن یہ نسبت بھی کمزور ہے۔کیونکہ اسے چراغ کی بتی اور تیل کا بھی خیال رکھنا پڑے گا اور ہوا کے جھونکوں سے بھی بچانا پڑے گا۔ ورنہ بتی کسی وقت بھی گل ہو سکتی ہے۔اس لئے یہ نسبت بھی

کمزور ہے۔

3- نسبت اصلاحی:

تیسری قسم کی نسبت کو نسبت اصلاحی کہتے ہیں۔ یہ وہ نسبت ہے جو سالک کو اپنے شیخ کی صحبت میں بہت عرصہ رہنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ سالک اس نسبت کے حصول کیلئے اپنے آپ کو شیخ کے سامنے اس طرح پیش کر دیتا ہے کَالْمَيِّتِ بَيْنَ يَدَيِ الْغُسَّالِ جیسے کوئی میت غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ شیخ اس پر جو چاہے روک ٹوک کرے، زجر و توبیخ کرے، اس کے اوپر سختی کرے، مجاہدہ کروائے۔ یہ کرتا چلا جاتا ہے، ریاضت کی بھٹی میں پکتا چلا جاتا ہے حتی کہ کندن بن جاتا ہے۔ اس کے بعد جو نسبت اس کو حاصل ہوتی ہے اسے نسبت اصلاحی کہتے ہیں۔

اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کوئی دریا سے ایک نہر نکال کر اپنے باغ میں لے آئے۔ اب اس کو پانی مل گیا۔ یہ جاری پانی کہلاتا ہے۔ اگر اس کے اندر چھوٹی موٹی کوئی نجاست بھی ہے تو یہ جاری پانی اس کی نجاست کو دھو ڈالے گا اور اگر کوئی تنکا بھی ہو تو یہ اس تنکے کو بھی بہا لے جائے گا۔ یہ نسبت اللہ رب العزت کے ہاں مقبول ہوتی ہے۔ اس نسبت کی برکت سے ایسے حضرات صغائر پر اصرار نہیں کرتے اس لئے کہ صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنے سے وہ گناہ کبیرہ بن جایا کرتے ہیں۔

نسبت اصلاحی کی بہت زیادہ برکات ہیں۔ اس سے انسان کے اندر سے "میں" نکل جاتی ہے اور رذائل کی جگہ اخلاق حمیدہ پیدا ہو جاتے ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ میں عاجزی:

حضرت گنگوہیؒ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں وقت گزارا۔ حضرت حاجی صاحب

نے ان کی خوب اصلاح فرمائی۔حتی کہ ان کو اپنے پاس رکھ کر ان کے اندر نسبت سلسلہ عالیہ چشتیہ القاء فرمائی۔

حضرت حاجی صاحبؒ ایک مرتبہ دسترخوان پر بیٹھے۔حضرت گنگوہیؒ اور حضرت فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ بھی ساتھ تھے۔حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک پلیٹ میں دال ڈال دی۔اور ایک روٹی حضرت گنگوہی کے ہاتھ میں پکڑا دی اور فرمایا کہ وہاں پیچھے دسترخوان کے کونے میں بیٹھ کر کھالو۔اور خود دستر خوان پر پڑی طرح طرح کی نعمتیں کھانا شروع کر دیں۔آج کا کوئی مرید ہوتا تو پیر سے بدظن ہو جاتا کہ اس پیر کو تو مساوات ہی نہیں آتی،اس پیر کو تو آداب معاشرت نہیں آتے،اس پیر کو تو شریعت کا پتہ ہی نہیں ہے،یہ بندے کو بندہ ہی نہیں سمجھتا،اس کے اندر تو تکبر ہے، اس کے اندر عجب ہے،اس کے اندر دنیا کی محبت ہے۔معلوم نہیں کیا کیا فتوے لگ جاتے۔مگر وہ کامل تھے،طالب صادق تھے۔وہ جانتے تھے کہ اس میں کوئی حکمت ہوگی۔لہذا آرام سے بیٹھ کر کھانا شروع کر دیا۔ادھر حضرت حاجی صاحبؒ اپنے کھانے میں تو بریانی اور بوٹیاں کھا رہے ہیں اور ادھر دال دی ہوئی تھی۔تھوڑی دیر کھانا کھاتے رہے۔تھوڑی دیر کے بعد کہا،میاں رشید احمد! جی تو یہ چاہتا تھا کہ تجھے ادھر جوتوں پر بٹھا دیتا کہ وہاں بیٹھ کر کھانا کھاؤ،مگر تم پر احسان کیا کہ تمہیں اپنے دسترخوان کے کونے پر بٹھا لیا۔یہ کہنے کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ نے ان کی طرف دیکھا۔حضرت گنگوہیؒ نے مسکرا کر کہا،حضرت! میری اوقات تو یہی ہے کہ میں جوتوں میں بیٹھنے کے بھی قابل نہ تھا،آپ نے احسان فرمایا کہ اپنے دسترخوان کے کونے پر بٹھا لیا۔جب حضرت حاجیؒ صاحب نے دیکھا کہ ایسی بات کو سن کر نفس بھڑکا نہیں چمکا نہیں بلکہ عاجزی کا بول نکالا ہے تو فرمایا الحمدللہ اب کام بن گیا ہے۔اس امتحان کے بعد حضرت حاجیؒ صاحب نے ان کو نسبت القاء کر دی۔

نفس کا اژدھا کیسے مرا؟

کئی اور مشائخ نے بھی اسی طرح اپنے مریدین کے امتحان لئے۔ایک شیخ نے اپنے کسی نوکر سے کہا کہ فلاں آدمی کے پاس سے گزرو اور کوئی گندگی لے کر اس کے قریب سے گزرنا اور دیکھنا کہ اس کی حالت کیا ہوتی ہے۔جب وہ آدمی قریب سے گزرا تو وہ صوفی صاحب ناک منہ چڑھا کر کہنے لگے کہ تمہیں نظر نہیں آتا کہ میں بھی بیٹھا ہوا ہوں۔شیخ کو پتہ چلا تو فرمایا کہ ابھی کام باقی ہے۔کچھ عرصہ کے بعد پھر وہ گندگی لے کر قریب سے گزرا۔اب یہ خاموشی کے ساتھ بیٹھے رہے۔اس نے آ کر کیفیت بتائی۔ حضرت نے فرمایا، پہلے سے کچھ بہتری ہوگئی ہے مگر اب یوں کرنا کہ جب اس کے قریب سے گزرو تو کچھ گندگی اس کے اوپر گرا دینا اور پھر دیکھنا کہ یہ کیا کہتا ہے۔انہوں نے قریب سے گزرتے ہوئے گندگی اوپر گرادی۔صوفی صاحب نے ان کو غصے کی نظر سے دیکھا اور کہا تجھے نظر نہیں آتا کہ کوئی بیٹھا ہوا بھی ہے یا نہیں۔اس نے جا کر بتا دیا۔حضرت نے فرمایا، ہاں ابھی نفس کا اژدھا مرا نہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ اور محنت کروائی۔ پھر فرمایا، آئندہ ساری گندگی اس کے اوپر ڈال کر دیکھنا۔ چنانچہ اس نے قریب سے گزرتے ہوئے اس طرح گندگی گرائی کہ صوفی صاحب پر بھی گری۔ وہ صوفی صاحب کھڑے ہو کر اس کے کپڑوں سے گندگی صاف کرنے لگے اور کہنے لگے کہ آپ کو کہیں چوٹ تو نہیں لگی۔اس نے جا کر یہی بات بتا دی۔شیخ نے کہا، الحمد للہ اب نفس کا اژدھا مر گیا ہے۔ 'میں' مٹ چکی ہے، اب اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر عاجزی اور انکساری پیدا فرما دی ہے۔لہٰذا ان کو اجازت و خلافت عطا فرما دی۔ایسی محنت جس کو کروانے کے بعد شیخ کسی سے امتحان لے اور امتحان میں وہ پورا ہو، اس کو نسبت اصلاحی کہتے ہیں۔

ایک عجیب مثال:۔

ایک بزرگ نے کسی کو خلافت دینے سے پہلے کہا کہ جاؤ یہ مرغی کسی ایسی جگہ ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ

دیکھ رہا ہو۔ کئی اور مریدوں سے بھی کہا۔ سب لوگ مرغیاں ذبح کرنے چلے گئے۔ کسی نے درخت کی اوٹ میں ذبح کی، کسی نے دیوار کی اوٹ میں ذبح کی۔ سب ذبح کر کے لے آئے۔ لیکن جن کو خلافت دینا تھی وہ جب واپس آئے تو رو رہے تھے۔ حضرت نے پوچھا، روتے کیوں ہو؟ آپ کے ہاتھ میں تو مرغی ویسے ہی ہے؟ کہنے لگے، حضرت! آپ نے حکم دیا تھا مگر میں اس پر عمل نہیں کر سکا۔ پوچھا، کیوں عمل نہیں کیا؟ کہنے لگے، حضرت! آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ اس کو ایسی جگہ ذبح کروں جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو، لیکن میں جہاں بھی گیا میرا رب مجھے دیکھتا تھا، اس لئے میں اس کو کیسے ذبح کر سکتا تھا۔ فرمایا الحمدللہ، اسی معیت کی کیفیت کا تو امتحان لینا تھا۔ اس کے بعد ان کو نسبت عطا فرمادی۔

مرید کا امتحان لینے کا مقصد:

اللہ رب العزت نے مشائخ کو باطنی فراست دی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً سالک کا امتحان لیتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات سالک کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ کسی بات میں امتحان بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔ وہ بے پرواہی میں اپنا وقت گزار رہا ہوتا ہے۔ اس بات کی طرف بے دھیانی ہوتی ہے۔ مگر شیخ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ نفس کے اندر کیا حالت ہے، نفس کا اژدھا مرا ہے یا نہیں، 'میں' مٹ گئی ہے یا نہیں۔ جب دل کا برتن صاف ہو جاتا ہے اور 'میں' مٹ جاتی ہے تو پھر مشائخ نسبت کا نور اس کے دل میں القاء فرما دیتے ہیں۔ یہ نسبت زیادہ مکمل ہوتی ہے۔

4- نسبت اتحادی:

نسبت کی ایک چوتھی قسم نسبت اتحادی ہے۔ یہ نسبت سب سے کامل ترین نسبت ہے۔ یہ نسبت شیخ کی محبت سے ملتی ہے۔ شیخ کے ساتھ ایسی محبت ہو جائے کہ دل سے آواز نکلے

من تو شدم تو من شدیمن تن شدم تو جاں شدی

تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

جب شیخ کے ساتھ محبت کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ شیخ کی نسبت کو دل کے اندر القاء فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو شیخ کے کمالات اس طرح عطا فرما دیتے ہیں کہ وہ سالک شیخ کا نمونہ بن جایا کرتا ہے۔ لوگ اس سالک کو دیکھتے ہیں تو انہیں انکا شیخ یاد آ جاتا ہے۔ اس کا چلنا پھرنا، رفتار گفتار، بیٹھنا اٹھنا حتی کہ اس کا سب کچھ اس کے شیخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس کو نسبت اتحادی کہتے ہیں۔

اس نسبت کی مثالیں تو بہت ہیں لیکن سب سے بڑی مثال سیدنا صدیق اکبرؓ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نسبت اتحادی عطا کی تھی۔ ان کو یہ نسبت رسول اللہ ﷺ سے ملی۔

سیدنا صدیق اکبرؓ ہمارے سلسلہ عالیہ کے سرخیل امام ہیں لہذا ان کے بارے میں چند باتیں گوش ہوش سے سنیں۔

دلیل نمبر 1:

حضرت ابو بکرؓ کے دل میں نبی اکرم ﷺ کی بے پناہ محبت تھی۔ ایک محفل میں اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تین چیزیں محبوب ہیں۔ جب سیدنا صدیق اکبرؓ نے سنا تو تڑپ کر بولے، اے اللہ کے محبوب ﷺ! مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کونسی؟ عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! ایک آپ ﷺ کے چہرے انور کو دیکھتے رہنا اور دوسرا آپ ﷺ پر اپنا مال خرچ کرنا اور تیسرا یہ کہ میری بیٹی آپ کے نکاح میں ہے۔ سبحان اللہ، انہوں نے تین باتیں کہیں اور دیکھیں تو سہی کہ تینوں کا مرکز اور محور محبوب ﷺ کی ذات اقدس بن رہی ہے۔ مرشد کی ذات بن رہی ہے۔ محبت شیخ کا اس سے اعلیٰ کوئی اور مقام نہیں ہو سکتا جو سیدنا صدیق اکبرؓ کو نصیب تھا۔ عشق رسول ﷺ کی وجہ سے ہی اللہ رب العزت نے ان کو نسبت اتحادی نصیب فرمائی تھی۔

دلیل نمبر 2:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا مَا صَبَّ اللّٰہُ فِی صَدْرِی شَیْئًا اللہ نے میرے سینے میں جو کچھ ڈالا اِلَّا وَ قَدْ صَبَبْتُہُ فِی صَدْرِ اَبِی بَکْرٍؓ میں نے اس سب کچھ کو ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا ہے۔ یہ نسبت اتحادی کی دوسری دلیل ہے۔

دلیل نمبر 3:

سیدنا عمر ابن الخطابؓ نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ حضور نبی کریم ﷺ پر بارش ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ کے جہاں قدم مبارک ہیں وہاں ابوبکر صدیقؓ کا سر ہے۔ بارش کا جو پانی نبی اکرم ﷺ پر آ رہا ہے وہ سارے کا سارا ابوبکر صدیقؓ پر آ رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے آپ کو بھی قریب کھڑے دیکھا۔ عمر ابن الخطاب کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ سے چھینٹے اڑ کر میرے اوپر پڑ رہے ہیں اور میں بھی بھیگا چلا جا رہا ہوں۔ صبح اٹھے اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں نے رات خواب میں یہ چیزیں دیکھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، عمر! یہ علوم نبوت تھے جو بارش کی طرح میرے اوپر برس رہے تھے، صدیقؓ کو چونکہ میرے ساتھ کمال مناسبت نصیب ہے اس لئے وہ مجھ سے سب سے زیادہ کمالات پا رہا ہے اور اس کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے تم بھی ان علوم کو حاصل کر رہے ہو۔ کمالات نبوت سب سے زیادہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے حاصل کئے۔ اور علوم ولایت کو حضرت علیؓ نے سب سے زیادہ حاصل کیا۔ یہ کمالات نبوت نسبت اتحادی کی تیسری دلیل ہیں۔

دلیل نمبر 4:

ایک مرتبہ چودہ سو صحابہ کرامؓ حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے چلے۔ مکہ مکرمہ

کے قریب پہنچ کر نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے کفار سے صلح کیلئے بات طے کر دی اور صحابہؓ سے فرمادیا کہ احرام کھول دو، ہدی کے جانوروں کو ذبح کر دو اور تم واپس چلو۔ صحابہ کرامؓ حیران ہوئے کہ ہم تو دل میں عمرہ کرنے کی تمنا لے کر چلے تھے، ہم کیسے واپس جائیں۔ صحابہ کرامؓ کو حیرانی اس بات پر ہوئی کہ ایک طرف تو ظاہراً اللہ کے محبوب ﷺ اتنا دب کر صلح کر رہے ہیں اور دوسری طرف آیتیں اتر رہی ہیں کہ یہ فتح مبین ہے۔ اس وقت عمر ابن الخطابؓ نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! ہم نے ان کفار کی سب شرائط مان لیں اور اپنی سب شرائط چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، عمر! اللہ رب العزت نے ہمیں فتح مبین عطا فرمادی ہے۔ حضرت عمر ابن الخطابؓ خاموشی سے واپس آ گئے۔ واپس آ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا، ابوبکر! کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم نے ان کی سب شرائط مان لیں حالانکہ اللہ نے اسلام کو عزت دی ہے مگر ہم تو دب کر صلح کر رہے ہیں۔ ابوبکر صدیقؓ نے بھی وہی الفاظ ادا کیے۔ فرمایا، عمر! تمہاری آنکھ دیکھ رہی ہے کہ ہم نے دب کر صلح کی ہے مگر میرے مالک کا فرمان ہے کہ یہ فتح مبین ہے۔ سبحان اللہ، صحابہ کرامؓ میں سے ایک ابوبکر صدیقؓ کی ذات ہی ایسی تھی جس نے اس کو اس وقت فتح مبین سمجھ لیا تھا جب باقی صحابہؓ کو یہ بات تھوڑی دیر کیلئے سمجھ میں نہ آئی تھی۔ جب نبی اکرم ﷺ نے جانور ذبح کیا اور اپنا احرام مبارک اتارا تو باقی صحابہؓ کا بھی شرح صدر ہو گیا۔ مگر سیدنا صدیق اکبرؓ کا شرح صدر محبوب ﷺ کے قول مبارک سے ہی ہو گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان کو نسبت اتحادی نصیب تھی۔

دلیل نمبر 5:

ہجرت کے موقع پر نبی اکرم ﷺ صدیق اکبرؓ کو لے کر مدینہ طیبہ پہنچتے ہیں۔ اہل مدینہ کے دید و دانش رکھنے والے لوگ سامنے کھڑے دیکھ رہے ہیں کہ مہمان آ رہے ہیں۔ انہوں نے اس وقت سیدنا

صدیق اکبرؓ کو اللہ کا پیغمبر سمجھ کر سلام کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ صدیق اکبرؓ مصافحہ کرتے رہے تا کہ میرے محبوب ﷺ کی تھکاوٹ میں مزید اضافہ نہ ہو۔ جب سب حضرات مصافحہ کر کے بیٹھ چکے اس وقت سورج نکل آیا۔ اس وقت لوگوں نے دیکھا کہ جس کو وہ نبی اکرم ﷺ سمجھ رہے تھے انہوں نے اپنی چادر اٹھائی اور اپنے ساتھی کے سر پر بچھا دی۔ دنیا کو پھر پتہ چلا کہ تابع کون ہے اور متبوع کون ہے، نبی کون ہے اور امتی کون ہے۔ قربان جائیں صدیق اکبرؓ، آپ کی اتباع سنت پر کہ آپ کے سامنے اتنے لوگ موجود تھے مگر وہ آقا اور غلام میں فرق نہ کر سکے۔ گفتار میں، کردار میں، رفتار میں، اور لباس میں اتنی مشابہت تھی، نقل اپنے آپ کو اصل کے اتنا قریب کر چکی تھی کہ کسی کو فرق کا پتہ ہی نہ چلا۔

دلیل نمبر 6:

جب نبی اکرم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لائے اور اپنی زوجہ محترمہ سے ارشاد فرمایا زَمِّلُوْنِی زَمِّلُوْنِی مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔ اس وقت آپ ﷺ پریشان تھے کہ کہیں میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ فرمایا، اِنِّی خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِی (مجھے اپنی جان کا خوف ہے)۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ نے یہ سنتے ہی فرمایا کَلَّا ہرگز نہیں۔ و اللہ، اللہ کی قسم اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِم آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں وَ تَحْمِلُ الْکَل آپ بے سہاروں کا سہارا بننے والے ہیں۔ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوم اور جن کے پاس کچھ نہ ہو ان کو کما کر دینے والے ہیں۔ وَ تَقْرِیءُ الضَّیْف آپ مہمان نوازی کرنے والے ہیں۔ وَ تُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقْ اور اچھی باتوں پر آپ مدد کرنے والے ہیں۔ اس طرح حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اپنے آقا کی پانچ صفتیں گنوائیں اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کریں گے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات ہوئی تو آپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد آپ کے غلام کو ایک صاحب ملے۔انہوں نے کہا کہ تو ہمیں ذرا اپنے آقا کے بارے میں تو بتا دے کہ تیرے آقا کیسے تھے؟ کیونکہ تو نے ان کی خدمت کی،تو ان کے ساتھ دن رات اکٹھا رہا اور تو نے ان کے ساتھ زندگی کا بیشتر وقت اکٹھے گزارا۔ذرا ان کا نقشہ تو کھینچ دیجئے؟ اس غلام نے جواب دیا اِنَّهٗ لَيَصِلُ الرَّحِمَ وہ تو صلہ رحمی کرنے والے تھے، وَ يَحْمِلُ الْكَلَّ اور وہ بے سہاروں کا سہارا بننے والے تھے اور مہمان نوازی کرنے والے تھے اور نیک باتوں پر لوگوں کی مدد کرنے والے تھے۔سبحان اللہ، وہی پانچ صفتیں گنوائیں جو حضرت خدیجہؓ نے اپنے آقا ﷺ کی گنوائی تھیں۔اس لئے کہ نسبت اتحادی نصیب تھی۔

نسبت اتحادی سے ایمان میں وزن:

اس نسبت اتحادی سے اللہ رب العزت نے ابوبکرؓ کو وہ مقام عطا فرما دیا کہ میرے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا لَوْ اتَّزَنَ اِيْمَانُ اَبِي بَكْرٍ مَّعَ اِيْمَانِ اُمَّتِي لَرَجِحَ کہ اگر میری پوری امت کے ایمان کو ابو بکر کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکرؓ کا ایمان بڑھ جائے۔

ایک علمی نکتہ:

یہاں پر ایک علمی نکتہ بھی یہ عاجز عرض کرتا چلا جائے۔بعض اوقات طلباء کے ذہن میں ایک اشکال آتا ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ اگر میرے بعد کوئی نبی آنا ہوتا لَكَانَ عُمَرُ وہ نبی عمر ہوتے۔نبی اکرم ﷺ نے یہاں سیدنا صدیق اکبرؓ کا نام کیوں نہیں لیا؟ کیونکہ ان کی فضیلت بہت زیادہ ہے اور درجہ بھی بلند ہے۔حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ جو دارالعلوم دیوبند کے بڑے

اساتذہ میں سے تھے انہوں نے اس اشکال کو بڑی اچھی طرح واضح فرما دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ ''اگر کوئی میرے بعد نبی آنا ہوتا''۔ فرمایا کہ بعد کا لفظ غیر کیلئے استعمال ہوتا ہے، دوسرے کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ ابو بکرؓ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ معیت عطا فرما دی تھی۔ وہ تو اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ:40) کے مصداق ایسے مقام معیت میں داخل ہو چکے تھے کہ جدائی ممکن ہی نہیں تھی اس لئے بعدی کا لفظ ان کے اوپر آ ہی نہیں سکتا تھا۔ میرے محبوب ﷺ نے فرمایا لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ تو پھر بعد میں تو عمرؓ ہی کا نمبر آتا تھا۔

نسبت حاصل کرنے کے ذرائع:

محترم جماعت! نسبت کا حاصل کرنا آسان ہے اگر اس سلسلہ میں تین کاموں کا خیال رکھا جائے، ایک یہ کہ انسان بھوکا رہے، جتنا پیٹ بھر کر کھائے گا اتنی ہی غفلت زیادہ ہوگی۔ اور آج تو سارا فتور اسی پیٹ بھر کر کھانے کا ہے۔ تصوف کے ذکر و مراقبہ اسی لئے اثر نہیں کرتے کہ ڈکار مار کر کھانے کی عادت ہوتی ہے، ڈٹ کر کھاتے ہیں اور جم کر سوتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ حضرت! اثرات ہی نہیں ہوتے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو آدمی دن میں دو وقت کھانا کھائے اسے بھوک کا پتہ ہی نہیں کہ بھوک کیا ہوتی ہے۔ فتاوی تاتارخانیہ میں لکھا ہے کہ اگر پیٹ بھرا شخص کسی کو نصیحت کرے تو اس کی نصیحت کا اثر نہیں ہوتا اور اگر پیٹ بھرے شخص کو نصیحت کی جائے تو اس پر نصیحت کا اثر نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ انسان معاصی (گناہوں) سے بچنے کی کوشش کرے۔ یاد رکھنا کہ نیکی کرنا آسان ہوتا ہے مگر گناہ سے بچنا مشکل کام ہوتا ہے۔ آپ ذکر و مراقبہ کئی کئی گھنٹے نہ کیجئے مگر گناہوں سے بچنے کی کوشش کیجئے۔ جتنا گناہوں سے بچیں گے نسبت کا راستہ اتنا ہی زیادہ ہموار ہو جائے گا۔ اور تیسری بات

یہ کہ کسی کو تکلیف نہ دیجئے۔ ان تین باتوں کو پورے اجتماع کا نچوڑ سمجھ لیجئے۔ جو آدمی ان تین باتوں کا خیال رکھتا ہے اس کیلئے نسبت کا حاصل کرنا بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔

اسم اعظم کی حفاظت:

محترم جماعت! نسبت کے حصول کیلئے اپنے سینوں کو پاک کر لیجئے۔ ایک صاحب اسم اعظم سیکھنا چاہتے تھے۔ لہذا اس نے اپنے شیخ سے کہا، حضرت! مجھے اسم اعظم سکھا دیجئے۔ شیخ نے ان کو ایک برتن میں کوئی چیز بند کر کے دی اور فرمایا کہ اسے فلاں جگہ پہنچا دو مگر تم اسے کھول کر نہ دیکھنا۔ وہ برتن لے کر چلا گیا۔ راستے میں اسے خیال آیا کہ دیکھ لیتا ہوں اس میں کیا کچھ ہے۔ جب کھولا تو دیکھا کہ اس میں چوہا تھا۔ جیسے ہی اس نے ڈھکنا اتارا وہ بھاگ گیا۔ جب وہاں برتن پہنچایا تو وہ خالی تھا۔ شیخ نے پوچھا، کیا بنا؟ کہنے لگے، حضرت! میں نے تو صرف برتن دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ یہ سن کر شیخ نے فرمایا، جب تم ایک چھوٹی سی چیز کی حفاظت نہیں کر سکتے تو اسم اعظم کی حفاظت کیسے کرو گے؟

پس مشائخ کرام نسبت کا نور بھی اس آدمی کے دل میں القاء فرماتے ہیں جو اس کی حفاظت کرنے اور لاج رکھنے کے قابل ہو۔

نسبت کیلئے برتن کی صفائی:

محترم جماعت! ہر بندہ چاہتا ہے کہ مجھے نسبت ملے مگر اس نسبت کے لئے برتن تو صاف کر لو۔ اگر آپ کے ہاتھ میں کوئی نجاست لگا ہوا پیالا دے کر کہے کہ جی مجھے اس میں دودھ ڈال دیجئے تو یقیناً آپ کی غیرت اس بات کو گوارا نہیں کرے گی کہ اس ناپاک برتن میں آپ دودھ ڈالیں۔ آپ کہیں گے کہ یہ آداب کے خلاف ہے۔ جس طرح نجاست والے برتن میں دودھ نہیں ڈال سکتے بالکل اسی طرح گناہوں والے سینے میں نسبتوں کو القاء نہیں کر سکتے۔ دل کے اندر پہلے طلب پیدا کرنا پڑتی ہے پھر اللہ

رب العزت مہربانی فرما دیتے ہیں۔اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں آتی ہے اور انسان کے دل کے برتن کو بھر دیا کرتی ہے۔یاد رکھئے کہ جس گھر کے اندر کوئی تصویر لگی ہوئی ہو اس گھر کے اندر رحمت کا کوئی فرشتہ نہیں آتا،جس دل میں کسی غیر کی تصویر ہو بھلا اس دل کے اندر رحمت کے فرشتے کیسے آئیں گے۔اس لئے دلوں کو پاک کر لیجئے۔آپ کا کام دلوں کو صاف کرنا ہے اور رب کریم کا کام نسبت کو القاء کر دینا ہے۔

شیخ ڈاکیے کی مانند ہوتا ہے:

اگر آپ سینہ صاف کرلیں گے تو آپ کے شیخ نسبت القاء کرنے سے رک نہیں سکیں گے۔اور اگر کوئی شیخ کسی کو اس کا اہل پانے کے باوجود نسبت القاء نہیں کرے گا تو اس شیخ کی اپنی نسبت سلب کر لی جائے گی۔کتنی بار ایسا ہوا کہ بعض مشائخ نے اشارہ ہونے پر بھی آگے نسبت منتقل نہ کی تو ان کو خواب میں بتایا گیا کہ یہ امانت ہے تمہارے گھر کی کوئی چیز نہیں اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (النسآء:58) اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کردو۔لہذا یہ نسبت ایک امانت ہے اور شیخ ڈاکیے کی مانند ہوتا ہے۔آپ نے اپنے دل کو محنت،طلب،عاجزی،انکساری اور للّٰہیت سے صاف کرنا ہے،پھر اللہ تعالیٰ شیخ کے دل میں وہ کیفیت ڈال دیتے ہیں جس سے بندے کے سینے میں نسبت کا القاء ہو جاتا ہے۔اس سے سینے روشن ہو جاتے ہیں اور پوری دنیا اس کی برکتیں دیکھتی ہے۔

لمحہ فکریہ:

آج نسبت کے طلبگار تو کئی ہیں مگر نسبت کیلئے سینوں کو تیار کرنے والے بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔پوری دنیا میں پھر کر دیکھئے آپ کو کوئی بندہ بھی اس طرح کا نظر نہیں آئے گا۔سب میں خواہش پرستی،نفس

پرستی، اور ہوا پرستی رہ گئی ہے اور خدا پرستی سے غافل ہو کر دنیا کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔

بتوں کو توڑ تخیل کے ہوں کہ پتھر کے

جب تک ان بتوں کو نہیں توڑیں گے اس وقت تک نسبت کا نور نصیب نہیں ہوگا۔ آج تو جن دلوں پر بھی نظر ڈالی جاتی ہے وہاں دنیا بھری نظر آتی ہے، وہاں دنیا جمی ہوئی نظر آتی ہے۔ میرے پیر و مرشد حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے۔

حال دل جس سے میں کہتا کوئی ایسا نہ ملا بت کے بندے تو ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نسبت کا نور عطا فرما دے تا کہ ہماری آخرت ٹھیک ہو جائے۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ